اہم اعلان

پچھلے ماہ کی اپیل کا اثر بہت کم لوگوں پر ہوا۔ دوبارہ نام بنام اطلاع دینے میں دشواری ہے۔ ایک بار ہر ہر خریدار کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دی جاچکی ہے کتنے حضرات کا چندہ دسمبر ۷۶ء میں ختم ہوا مگر اب تک انھوں نے توجہ نہ کی۔ اب کافی نقصان برداشت کر کے ۱۵؍ جون تک انتظار کے بعد نہایت رنج و افسوس کے ساتھ ایسے تمام حضرات کے نام رجسٹر سے خارج کر دیے جائیں گے جن کا چندہ اب تک وصول نہیں ہوا۔ کاش کہ ایسے تمام حضرات ایک کارڈ سے خریداری باقی نہ رکھنے کی اطلاع دیدیتے اور کم از کم یہ تو چاہیے کہ جتنے پرچے ان کو مفت ملے ہیں ان کی قیمت ادا کر دیں۔ منیجر

محمد ثانی حسنی ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر و پروپرائٹر نے تنویر پریس باغ گونگے نواب لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر رضوان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

۳۶۱۵
۰۶۱۲۶
۷ رک

تذکرہ

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کے مشہور مقبول بزرگ اور عالم اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۸ھ ۱۳۱۳ھ) کے سوانح حیات، حالات و کمالات اور ارشادات و ملفوظات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت مولانا کی صحبت میں بیٹھا ہوا ہے اور درد و محبت کی وہ آنچ اس کو بھی محسوس ہو رہی ہے جو مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔

وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور اہلِ یقین کے طالب ہیں، ان کے لیے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت ——— ۹/-

مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

مُسلم خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

Monthly

Rizwan

LUCKNOW

مدیر
محمد ثانی حسنی

معاون
اُمامہ حسنی
میمونہ حسنی

تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ اسی طرح طلوع، زوال اور غروب کے اوقات میں یا جب جماعت تیار ہو تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے۔

دماغین

دماغی کام کرنے والوں
مثلاً طلباء، اُستاد،
وکیلوں وغیرہ کے لئے
بہترین تحفہ

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

کان والو سن لو

کان کے جملہ امراض، کم سننا، کانوں سے سائیں سائیں، دھم دھم، سیٹی بجنے کی آوازیں آنا یا پیپ خون مواد بہنا، زخم ورم، درد، خشکی، کھجلی، کانوں کا بھاری پن، سنسناہٹ اور بخار کے بعد کم سنائی دینا وغیرہ امراض کیلئے بہترین دوا کان رکشک قیمت ۶/- روپیہ محصول ڈاک ۴/- روپیہ۔ دوا مریض کی حالت کے مطابق اپنے مکمل حالات لکھئے۔

مینجر بخشیم فارمیسی رجسٹرڈ (R. L) ہردوار (انڈیا)

محمد ثانی حسنی ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس باغ گونگے نواب لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ رضوان گوئن روڈ سے شائع کیا

قادیانیت

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جس کا نام سن کر ہی قادیانی گھبرانے لگتے ہیں۔ یہ کتاب ملک کے باہر اور افریقہ کے بعض حصوں میں اس فتنے کے لیے ایک سنگِ گراں بلکہ پیامِ اجل ثابت ہوتی ہے۔ تاریخی ثقاہت، استدلال کی قوت، اسلوب کی متانت اور قلم کی شگفتگی، کتاب کے سارے مباحث میں یکساں طور پر ملتی ہے اور پوری کتاب میں معاندانہ طرزِ کلام کے بجائے خالص علمی اور تحقیقی طرز اختیار کیا گیا ہے تاکہ قبولِ حق میں کوئی رکاوٹ نہ ہو سکے۔

قیمت

انگریزی ایڈیشن

عربی

اردو 6/-

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

بیادگار امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد ۲۱	جون ۱۹۷۷ء	نمبر ۵

مدیر
محمد ثانی حسنی

معاونین
امامہ حسنی
میمونہ حسنی

فی پرچہ
ایک روپیہ
سالانہ چندہ
ہندوستان سے
دس روپے
ممالک غیر سے
ڈیڑھ پاؤنڈ

اس خانہ میں اگر سرخ نشان ہے تو آپ کا چندۂ خریداری ختم ہو چکا ہے آئندہ پرچہ جاری رکھنے کے لئے اپنا چندہ مبلغ دس روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ پرچہ وی پی سے بھیجنے میں بڑا نقصان آتا ہے۔ لہذا وی۔پی صرف انھیں کو بھیجی جاتی ہے جو خود خط لکھ کر منگواتے ہیں۔

منیجر ماہنامہ رضوان گوئن روڈ لکھنؤ

کیا اور کہاں

لمحۂ فکر	ہارون رشید صدیقی	۳
قرآن سمجھ کر پڑھئے	محمد الحسنی ندوی	۵
حدیث کی روشنی میں	امۃ اللہ تسنیم	۷
خرابی میں اس دن	مولانا فخر الدین خیالی	۹
مظلوم انسانیت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۱
غزل	طفیل احمد مدنی	۲۱
غیبت	رضوانہ حیٔ	۲۳
فضول خرچی	ہارون رشید	۲۵
سوال وجواب	ادارہ	۳۰
اہم اعلان	"	۳۲

لمحۂ فکر

ہارون رشید صدیقی ایم اے

چھوٹے بچے جس کام سے دلچسپی نہیں رکھتے اسے نہیں کرتے، بڑے اس کام کو ضروری سمجھتے ہیں تو دو تدبیریں کرتے ہیں یا تو بچے کو ڈرا کر کام لیتے ہیں یا دلچسپی پیدا کرا کر، دونوں صورتوں میں بچہ جب کام کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر خوشی خوشی اسے انجام دینے لگتا ہے۔ سوجھ بوجھ رکھنے والے حضرات ڈرانے والی تدبیر سے گریز کرتے ہیں. لیکن ہمارے ملک کے اکثر والدین ڈنڈے کے زور ہمارے بچوں کی اصلاح کرتے ہیں. ڈرانا اور جسمانی سزا سے ڈرانا کسی درجہ میں صحیح اور درست ہے کہ فطری مذہب اسلام نے بھی اجازت دی ہے جس کے سامنے ماہرین نفسیات انگشت بدنداں ہیں. لیکن ساتھ ہی اس نے حکمت اور موعظت کا بھی حکم دیا ہے لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ پہلے ہر قسم کی تدبیریں کرلیں، پھر سزا کا حربہ استعمال کریں مگر اسی حد تک جس حد تک وہ مفید ہو.

ہم دیکھتے ہیں کہ جو بچہ بچپن میں کام سے جی چراتا تھا، خوف سے یا شوق سے، خدا خدا کر کے اس کی تعلیم و تربیت مکمل ہوئی اور اس نے اپنے لئے کوئی کام تجویز کیا، اب اس کام میں وہ کوتاہی نہیں کرتا. اپنا کام محنت

سے کرتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی اس کو کسی کا ڈر ہے؟ جواب صاف ہے۔ بے شک ڈر ہے، اب اسے ڈر ہے اپنے اور اپنے متعلقین کے پریشانی میں مبتلا ہو جانے کا، اور شوق ہے، دولتِ دنیا جمع کر لینے کا۔ یہ ڈر بچپن والے ڈنڈے سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

اب آپ غور کریں اور اپنے ہی کو جواب دیں:-

جب لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور آخرت میں ہمیشہ رہنا ہے تو اس کی فکر کیوں نہیں کرتے۔

جب لوگ جانتے ہیں کہ ترکِ نماز پر آخرت میں بدترین سزا ہے

جب لوگ جانتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو تکلیف پہنچانے، ان کے حقوق تلف کرنے کی سزا دوزخ ہے۔

جب لوگ جانتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی آخرت کی تباہی کا سبب ہے۔

جب لوگ جانتے ہیں کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت و محبت ہی میں کامیابی سکون اور آرام ہے۔

پھر لوگ نماز میں کوتاہی کیوں کرتے ہیں۔ شریعت سے بے اعتنائی کیوں برتتے ہیں، اللہ و رسول کی اطاعت سے جی کیوں چراتے ہیں؟

لڑکا باپ اور استاد کے ڈنڈے سے خوف زدہ ہو کر کام کر سکتا ہے، انسان دنیوی مصائب کے خوف سے سخت مشقتیں برداشت کر سکتا ہے لیکن خدا کا بندہ عذابِ قبر، عذابِ حشر اور عذابِ دوزخ سے بے پرواہ ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آخرت کی سزا اور جزا پر یقین ہی کمزور ہے اس کا جواب ہر شخص خود اپنے کو دے سکتا ہے

قرآن سمجھ کر پڑھیئے:

الکتاب

محمد الحسنی ندوی

الم ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین

الٓمٓ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ڈرنے والوں اور احتیاط کرنے والوں کے لئے۔

یہ سورہ بقر کی پہلی آیت ہے اور اس کے تین جزو ہیں۔

اس کا آغاز الٓمٓ سے کیا گیا ہے۔ یہ وہ حروف ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں، ان کو حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے اگرچہ مفسرین نے اس کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی اس کے معنی و مطلب سے واقف نہیں اور عقلِ انسانی یہاں عاجز ہے اس طرح اس کتاب یعنی قرآن مجید کا آغاز ہی ایسے لفظ سے کیا گیا ہے جہاں اپنے عجز کے اعتراف و اظہار کے سوا انسان کے لیے کوئی چارہ نہیں۔ اس راہ کا پہلا قدم عجز اور عاجزی ہے اور اگر یہ قدم درست ہے تو یقین ہے کہ انشاء اللہ آگے آنے والی منزلیں بھی سر ہو جائیں گی

اس کے بعد آگے قرآن مجید کو الکتاب کہا گیا ہے جس میں اس کی عمومیت و آفاقیت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے آگے اس کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک اس کا شبہ سے بالاتر اور پاک ہونا "لاریب فیہ" اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔

دوسرے "ھدی للمتقین" ہدایت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے۔

ہم غور کریں تو نظر آئے گا کہ اتنے اہم موقع اور اتنے اہم خطاب کے وقت جب کہ قرآن مجید کی پہلی اور سب سے بڑی سورہ کا آغاز ہو رہا ہے جو معانی و مطالب سے لبریز ہے، انسانی ذہن میں دو سوال ضرور پیدا ہو سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں کوئی شبہ تو نہیں، دوسرے یہ کہ اگر وہ شبہ سے بالاتر ہے تو اس سے استفادہ کا کیا طریقہ ہے؟ اس آیت میں دونوں سوالوں کا بہت تشفی بخش انداز میں جواب دیا گیا ہے

پہلے یہ بات صاف کر دی گئی کہ کسی شبہ تردد اور وسوسہ کی اس میں گنجائش نہیں، اور دوسرے یہ کہ اس میں ہدایت کا سامان ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کا لحاظ و ادب کرتے ہیں۔ اس سے ڈرتے ہیں اور احتیاط کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی میں کسی درجہ میں بھی ایسے جذبات ہیں تو قرآن مجید اسے لازماً راہ ہدایت پر لگا دیگا اور روحانی ترقیات کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں گے۔

حدیث کی روشنی میں

ارشادات رسولؐ

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

سلسلہ کے لیے مئی ۷۷ء کا رضوان دیکھئے

بادشاہ نے اس کو دوسرے کے حوالے کر دیا اور کہا اس کو کشتی میں لے جاؤ۔ اور جب بیچ دریا میں پہنچو تو اس سے دین کے متعلق کہو۔ اگر یہ اپنے دین کے متعلق کہو اگر یہ اپنے دین سے پلٹ جائے تو خیر ورنہ دریا میں چھوڑ دینا۔ لوگ لے گئے۔ اور جب وسط دریا میں پہنچ گئے تو لڑکے نے کہا اے اللہ جس طرح چاہے ان کی بلا مجھ سے ٹال۔ کشتی ڈگمگائی اور وہ سب ڈوب گئے۔ لڑکا بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے کہا تیرے ساتھی کہاں رہے، لڑکے نے کہا کہ خدا نے میری مدد فرمائی اور ان کو دفع کیا۔ پھر لڑکے نے کہا تو مجھ کو نہیں مار سکتا جب تک کہ میرے کہنے پر عمل نہ کرے، بادشاہ نے کہا وہ کیسے؟ لڑکے نے کہا لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کر اور مجھ کو ایک سولی کے پیڑ میں سولی دو اور ایک تیر اپنے ترکش سے لے کر اور اس کو کمان کے وسط میں رکھو اور کہو میں لڑکے کے رب کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ تو اس صورت میں تم مجھ کو مار سکو گے۔

بادشاہ نے لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کیا اور اس کو کھجور کی پیڑی

پر سولی دی، پھر ایک تیر اپنے ترکش سے لے کر اس کو کمان کے وسط میں رکھا اور کہا کہ میں لڑکے کے رب کے نام سے شروع کرتا ہوں، پھر اس کو مارا۔ تیر اس کی کنپٹی میں لگا۔ اس نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھا اور مر گیا۔ پس لوگ بول اٹھے ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ آیا تو لوگوں نے کہا لیجئے جس کا آپ کو ڈر تھا وہی سامنے آیا۔ لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے کہا سڑک کے کنارے ایک کھائی کھودی جائے۔ اور اس میں آگ بھڑکائی جائے پھر جو اپنے دین سے نہ پلٹے تو اس سے کہا جائے کہ اس میں کود، یہی کیا گیا ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا۔ عورت اس میں کودنے سے ہچکچائی۔ بچے نے کہا اے ماں صبر کر بیشک تو حق پر ہے (مسلم)

مردانگی پہلی چوٹ پر صبر کرنا ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہوا، جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی، آپؐ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ اس نے کہا آپ اپنا راستہ پکڑیئے، میری طرح اگر آپ کو مصیبت پہنچتی تو آپ جانتے۔ لوگوں نے اس سے کہا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آئی اور وہاں دربانوں کو نہ دیکھا۔ کہنے لگی۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ صبر پہلی چوٹ کے وقت ہوتا ہے۔

محبوب کے صدمہ پر صبر کا صلہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس مومن بندے کے لیے جنت کے سوا اور کیا صلہ ہو سکتا ہے جس کے محبوب کو [illegible] اور وہ ثواب آخرت کی خواہش پر صبر کرے (بخاری)

خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والا

مولانا فخر الدین خیالی

وہ دن کیا قیامت کا اک سامنا ہے
ہزاروں برس کا یہ صدہا بلا ہے
یہ دن چار پہروں کا جو جا رہا ہے
نہیں غم میں کٹتا ہے وہ تو بڑا ہے
خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والا

یہ وہ دن ہے جس میں گریں سب ستارے
پھٹیں آسماں اور چھلنی ہوں سارے
پہاڑ ایسے مضبوط بھی بے سہارے
روئی سے سب اڑتے پھریں مارے مارے
خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والے

یہ وہ دن نہیں جس میں کوئی کسی کا
نہ ماں باپ کا نے چچا اور پھوپھی کا
زن و شو میں رشتہ نہ حق دوستی کا
پدر بھی پسر کا نہ ہو، غم ہو جی کا
خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والا

زمیں تانبے کی آگ سی ہو دہکتی!
جلیں پاؤں اور کھوپڑی ہو دے پکتی!
غضب کی کڑی دھوپ اور ہو چمکتی
نگہ حسرت آلود ہو سو ہو تکتی!
خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والے

یہ وہ دن ہے جو کھول دے نیک و بد کو
فریب و ریا بغض کبر و حسد کو
کرے جمع انسان اور دام و دد کو
ڈریں مرسل اس بے نیاز احد کو
خرابی میں اس دن ہیں جھٹلانے والے

لکھنؤ کا مشہور و معروف خوشبودار، خوش ذائقہ مفید صحت اور لذیز تمباکو

اکسٹرا اسپشل رائل زردہ	اسپشل رائل زردہ	رائل زردہ

نمبر ۱۰۷ اور نمبر ۱۵۰

ہمیشہ استعمال کریں

بنانے والے
رائل زردہ فیکٹری سعادت گنج لکھنؤ

(دوسری قسط)

مظلوم انسانیت

★ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سکون کا فقدان اور اس کے اسباب

آج یہ ہوشربا گرانی، اشیاء کی نایابی اور افراط زر کیوں ہے۔ کیا اس لئے کہ اہل ملک کی اکثریت بھوکی اور ننگی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف اس لئے کہ دولت کی ہوس بڑھ گئی ہے۔ زیادہ . . . . . . اور جلد سے جلد دولتمند بننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ قناعت، زندگی سے مفقود ہو چکی ہے فخر و ریاکاری، جاہ طلبی، نمائش، شہرت کے خمیر میں داخل ہو چکی ہے۔

زندگی کا عذاب

آج جس چیز نے زندگی کو عذاب اور دنیا کو دار العذاب بنا رکھا ہے اور جس سے ہر موڑ پر سابقہ ہے وہ بڑھی ہوئی رشوت ستانی، چور بازاری اور ظالمانہ نفع خوری ہے) لیکن کیا ان جرائم کا ارتکاب، بھوک، فاقہ کشی اور برہنگی کی مجبوری سے کیا جاتا ہے۔ یہ تو اسی طبقہ کی حرکات ہیں جن کو اپنی خوراک سے زیادہ غلہ اپنے حصہ سے زائد کپڑا اور اپنی ضرورت سے فاضل سامان زندگی حاصل ہے ہزاروں مجرمین میں ایک بھی نادار، شبینہ کا محتاج اور سردی سے ٹھٹھرنے والا انسان نہیں ملے گا۔ یہ متوسط اور دولت مند طبقہ کے اعمال ہیں جن کے پاس

ضروریات زندگی میں سے کوئی چیز کم اور ارتکاب جرم کے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

حقیقت میں انسانوں کی فطری اور واجبی ضروریات کا معاملہ کچھ مشکل نہیں یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ملک میں ہر شخص کو پیٹ بھر کھانا، ضرورت کا کپڑا اور سامان زندگی میسر ہو جائے لیکن کیا دنیا کی کوئی بڑی حکومت اور بہتر سے بہتر نظام کسی مختصر سے مختصر آبادی کے لیے بھی اس کی فرضی ضروریات مہیا کر سکتا ہے اور کسی ایک انسان کے بھی مصنوعی پیٹ کو بھر سکتا ہے جس کی جھوٹی بھوک (اشتہاء کاذب) سارے انسانوں کا رزق کھا کر بھی نہیں مٹتی؟ پھر جب سوال حقیقی ضروریات کا نہیں بلکہ فرضی ضروریات کا ہے۔ اور فرضی اشتہار صادق نہیں بلکہ اشتہار کاذب ہے تو کوئی ایسا معاشی فلسفہ یا اقتصادی نظام جو سوسائٹی کے ضمیر کو نہیں بدلتا جو صرف انسانوں کے پیٹ بھرنے اور ان کا تن ڈھکنے کی ذمہ داری لیتا ہے اور جو مادی احساس میں اعتدال پیدا کرنے کے بجائے اشتعال پیدا کرتا ہے۔ کیا کسی سوسائٹی کو بھی اندرونی طور پر مطمئن کر سکتا ہے اور زندگی کو موجودہ مشکلات سے نجات، دے سکتا ہے۔

زندگی کی پیچیدگیاں اور ان کے اسباب

غور سے دیکھا جائے تو رشوت ستانی، چور بازاری، حد سے زیادہ نفع خوری اور اخلاقی جرائم اصل پیچیدگیاں نہیں ہیں۔ اصل پیچیدگی وہ ذہنیت اور مزاج ہے جو ان بداخلاقیوں اور بے اصولیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ جب تک اس مزاج میں تبدیلی نہ ہو ان خرابیوں کا مستقل سدباب نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک

دروازہ بند کیا جائے گا تو دس دروازے کھل جائیں گے۔ انسانی ذہن اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہت سے چور دروازے رکھتا ہے۔ اگر اس میں کوئی گہری تبدیلی نہ ہو تو اس کا راستہ روک کر کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنی مطلب براری کے لیے بہت سی تدبیریں اور حیلے آتے ہیں۔ وہ ان سے اپنا مطلب نکال لے گا۔

موجودہ زندگی کی اصل خرابی یہ ہے کہ پوری سوسائٹی کا ضمیر خود غرض اور مطلب پرست بن گیا ہے۔ اس کا ایک فرد اپنی غرض کے لیے بے تکلف بڑی سے بڑی بے اصولی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ اگر وہ کسی شعبہ کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کو خیانت میں باک نہیں۔ اگر کسی قومی ادارے کا رکن منتخب ہوتا ہے تو اس کو اپنے حقیر فائدے کے لیے بڑے سے بڑے قومی جماعتی فوائد کو پامال کرنے اور دوسروں کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر آباد کرنے میں عذر نہیں۔ اگر وہ ماتحت ہے تو کام چور، سست کار اور احساس فرض سے عاری ہے۔ وہ اپنے کسی متوقع فائدہ یا کسی ذاتی رنجش کی بنا پر ایک گھنٹہ کے کام میں بآسانی ایک مہینہ لگا سکتا ہے۔ اور آسان سے آسان معاملہ کو برسوں الجھا سکتا ہے۔ اور اس طرح سے اپنے ذاتی فوائد کے لیے نظام حکومت کو ناکام یا بدنام کر سکتا ہے۔ اگر وہ صاحب اختیار ہے تو اعزہ نوازی، احباب پروری، بے جا پاسداری اور شخصی یا خاندانی فوائد کی بنا پر صریح بے اصولی کا ارتکاب کر کے ملک و قوم کو نقصان پہونچاتا ہے اگر تاجر ہے تو دولت میں غیر ضروری اضافہ کرنے کے لیے چور بازاری اور ناجائز نفع خوری کر کے لاکھوں غریبوں کو پیٹ کی مار مارتا ہے اور دانے دانے کو

ترساتا ہے۔ اگر وہ روپے کا کاروبار کرتا ہے تو سود خواری اور مہاجنی کے ذریعے صدہا غریبوں کا بال بال قرض میں جکڑ دیتا ہے۔ اور ان کو پیسہ پیسہ کا محتاج بنا دیتا ہے۔

خود غرضی کا مانسون

افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خود غرضی کا شیطان مسلط ہو گیا ہے۔ سیاسی، جماعتیں جماعتی خود غرضی اور خود بینی میں مبتلا ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں پر قومی خود غرضی کا بھوت سوار ہے جس کے پاؤں کے نیچے چھوٹی اور کمزور قومیں سبزہ کی طرح پامال ہوتی رہتی ہیں اس قومی خود غرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے۔ اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسی قومی خود غرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے۔ اسی کے ادنیٰ اشارہ پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے ایک قوم پر دوسری قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے بھیڑ بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے۔ متحد ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں۔ یورپ کی اسی قومی خود غرضی نے پہلے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا، اور کل عرب سلطنت کا خواب دکھلایا۔ پھر اسی خود غرضی نے شام جیسے چھوٹے ملک میں چار مستقل حکومتیں قائم کیں۔ پھر اسی نے یہودیوں کو وطن الیہود کا سبز باغ دکھایا۔ آج بھی فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کی گتھی جس طرح الجھی جا رہی ہے وہ محض امریکا، برطانیہ اور روس کی قومی خود غرضی کا نتیجہ ہے

ہندوستان میں سو برس تک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور پھر آخر میں جس طرح اس پورے ملک کو قتل گاہ بنا کر چھوڑ گیا ہے وہ یا تو برطانیہ کی براہ راست قومی خود غرضی کا کرشمہ ہے یا اس کی پیدا کی ہوئی اس بدترین قومی خود غرضی کا جس کا زہر یہاں کی آبادی کے جسم میں ۱۰۰ برس تک سرایت کرتا رہا ہے۔ مغربی تہذیب اور مغربی سیاست کی لائی ہوئی اسی قومی خود غرضی نے ۱۹۴۷ء میں یہاں کے لوگوں کو اتنا اندھا اور دیوانہ بنا دیا کہ ان سے وہ غیر انسانی افعال صادر ہوئے جن کی نسبت چوپایوں اور درندوں کو بھی شرم آئے گی۔ اور آدم خور وحشیوں کی گردن شرم سے جھک جائے گی۔ اور زمانہ آئندہ کا مورخ ان واقعات کی تصدیق میں سخت پس و پیش کرے گا۔

خود غرضی کے نتائج

پھر اسی خود غرضی نے ساری دنیا میں اور ملک کے تمام طبقوں میں ایک مخصوص مزاج پیدا کر دیا ہے جس کا خاصہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے مطالبہ میں بڑا مستعد ہے اور فرائض و حقوق کے ادا کرنے میں کوتاہ اور حیلہ جو۔ اسی ذہنیت اور سیرت نے ساری دنیا میں انفرادی، جماعتی اور طبقاتی کشمکش برپا کر دی ہے۔ ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے اور دوسرے کا حق ادا کرنے سے گریز کرتا ہے اگر دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ساری حقوق طلبوں کی ایک آبادی نظر آئے گی۔ جس میں حق طلبی کا نعرہ تو ہر زبان پر ہے لیکن ادائے فرض کا احساس کسی دل میں نہیں۔ جس آبادی میں ہر شخص حق طلب ہو لیکن فرض شناس کوئی نہ ہو وہاں کی زندگی کی الجھنوں کی اور دقتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور وہاں کی کشمکش کوئی

انسانی تدبیر یا تنظیم دور نہیں کر سکتی۔

ہم اس خود غرضی پر خواہ کتنے ہی چیں بہ جبیں ہوں اور اس سے ہمیں خود اپنی روز مرہ کی زندگی میں خواہ کتنی ہی مشکلات پیش آئیں وہ ہے بالکل ایک قدرتی چیز، جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، اس مادی زندگی کی لذتوں اور فائدوں کے سوا کسی اور حقیقت کا یکسر وجود نہیں اور ہمارا سارا ادب فلسفہ اور پورا ماحول اسی کی تلقین کرتا ہو، ایسی کی مثالیں سند اور معیار کے طور پر پیش کر رہا ہو۔ زندگی بعد موت کا ہر تصور ختم ہو چکا ہو۔ اخلاقی قدروں اور زندگی کی دوسری بلند اور لطیف تر حقیقتوں نے خالص مادی و جسمانی احساسات کے لیے جگہ خالی کر دی ہو۔ پیٹ اور جسم نے پھیل کر زندگی کی ساری وسعت گھیری ہو اور تمام دوسری حقیقتوں کو نظروں سے اوجھل کر دیا ہے وہاں انسان خود غرض کیوں نہ ہو؟ اور وہ اس اول و آخر زندگی کی لذتوں اور منفعتوں کو کس دن کے لیے اٹھا رکھے اور اس زندگی سے لطف اندوزی میں کس لیے بخل اور احتیاط سے کام لے؟ پھر جب اس کو کسی بالاتر نگرانی اور کسی قادر و توانا ذات اور کسی ہمہ بیں اور ہمہ داں ہستی کا بھی اعتقاد اور خوف نہ ہو تو وہ ان اغراض کے حصول کے لیے جو اس کی زندگی میں خوش حالی یا لذت و لطف پیدا کر دیں۔ ان اسباب و ذرائع کے اختیار کرنے میں پس و پیش سے کام لے جو اس کے لیے کسی وقت بھی ممکن ہو سکیں۔

اور پھر جب مادہ پرست سیاسی فلسفہ نے انسان کی زندگی کو ایک قوم اور وطن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور ہر ایسے تصور اور ہمدردی کو ذہن سے نکال

دیا ہے۔ جس کا دائرہ ایک قوم یا وطن سے زیادہ وسیع ہو اور ہر ایسی چیز کو راستہ سے ہٹا دیا ہے جو انسانیت کا وسیع تر تصور اور زندگی کا غیر فانی تخیل پیش کرتی ہو تو انسان کی فطری خود غرضی اپنے انتہائی ارتقا میں بھی قومی اور وطنی خود غرضی کی سطح سے کس طرح بلند ہو سکتی ہے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی جائز و ناجائز فعل کے ارتکاب سے کس طرح احتیاط کر سکتی ہے؟

یہ خود غرضی اور مطلب اس موجودہ نظام معاشرت و سیاست کا جنم روگ ہے۔ جب تک اس کا ازالہ نہ ہو ظاہری انتظامات، اصلاحات و ترقیاں کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں، سیاسی طور پر ملک آزاد و خود مختار ہو یا غیر ملکی حکومت کے ماتحت جب تک ہماری سوسائٹی پر خود غرضی مسلط ہے دولت و عزت کا عشق تمام ملک پر چھایا ہوا ہے، ذمہ داری کا احساس افراد کے دلوں سے نکل چکا ہے اور معاشرہ کے قلبی رجحان زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی فرضی ضروریات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل کی طرف ہے۔ عملاً وہ سوسائٹی زندگی کی حقیقی مسرتوں اور آزادی کے عملی نتائج سے محروم رہے گی۔

معاشرہ کا اندرونی روگ

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سوسائٹی پر ایک طبعی فربہی چھا رہی ہے، وہ اپنی ظاہری آرائش میں بھی ترقی کر رہی ہے۔ فاقہ کشی اور عریانی کا تناسب بھی کم ہو رہا ہے اور ملکوں میں معاشی ناانصافی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ تعلیم عام ہو رہی ہے۔ نئے نئے شعبوں کی کثرت ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سوسائٹی کو اندر سے روگ لگ چکا ہے جو اندر اندر سے اسے گھلا رہا ہے۔ جب دلوں میں ناانصافی گھر

کر گئی ہو تو محض معاشی ناانصافی کو مٹا دینے سے کسی ملک میں حقیقی انصاف اور عام ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی، معاشیات کے علاوہ بھی زندگی کے بہت سے میدان ہیں جن میں انسان کو انسان پر ظلم کرنے اس کا حق دبانے اور کم سے کم اس تنگ کرنے کے پورے مواقع حاصل ہیں جب تک دلوں سے اس ناانصافی اور ظلم کی طرف رجحان اور خود غرضی کا بیج نہ نکالا جائے کوئی شہری نظام و ناانصافی اور بد دیانتی سے پاک نہیں ہو سکتا۔

خوش حالی اور ترقی کی بنیادیں

ایشیا میں ابھی حال میں جو نئی خود مختار ریاستیں قائم ہوئی ہیں یا جن ممالک کو نئی نئی آزادی حاصل ہوئی ہے وہ بھی اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ ملک کی خوش حالی اور قوم کی ترقی صرف زندگی کی ظاہری تنظیمات اور وسائل کے حصول میں نہیں ہے بلکہ ان مقاصد کے صحت میں ہے جن کے لیے یہ وسائل استعمال ہوتے ہیں۔ رجحان کی درستی اور انصاف، ہمدردی کے قلبی جذبات میں ہے اور یہ چیزیں کسی مشینی طریقہ اور سیاسی تنظیم سے نہیں پیدا ہوتیں اگر یہ کسی مشینی طریقہ یا سیاسی نظام سے پیدا ہو سکتی اور وسائل زندگی کی فراہمی اور ملک کی ظاہری تنظیم حقیقی خوش حالی امن و اطمینان اور قلبی سکون کی ضامن ہوتی تو یورپ و امریکا کے مستحکم و منظم سلطنتیں امن و سکون کا گہوارہ ہوتیں۔ اور وہ ممالک جنت نظیر ہوتے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ ان ممالک کو حقیقی اطمینان نصیب نہیں وہاں کی اندرونی الجھنیں کوئی چھپا ڈھکا واقعہ نہیں۔

مقاصد کی صحت، رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی

جذبات کا سرچشمہ ایک صحیح و طاقتور اخلاقی و روحانی مذہب ہی ہے جو انسان کے جسم کے ساتھ اس کے دل پر بھی حکومت کرے۔ جو اس کی خواہشات کو اپنے ضبط و نظم میں رکھے۔ جو اپنی روحانی طاقت سے اس سے بنی نوع انسان کے حق میں ایثار و قربانی کرا سکے۔ جو اس محدود و مختصر زندگی کے علاوہ کسی ابدی غیر فانی زندگی کو اس کی نگاہ میں اس طرح حقیقت بنا سکے۔ اس کے شوق میں آدمی اس زندگی میں اعتدال و احتیاط سے کام لے جو اس کے سامنے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے، دولت و عزت حاصل کرنے اور حیوانی تقاضوں کو انسانی عقل و ہنر مندی سے پورا کرنے کے علاوہ انسانیت اور زندگی کے کچھ اور معانی بتلا سکے اور انسان کی زندگی کے کچھ زیادہ بلند مقاصد انسان کے سامنے لا سکے۔ ایسے ہی مذہب کی صحیح تعلیم اس خود غرضی اور کوتاہ نظری کو زائل کر سکتی ہے جس سے ہمارا موجودہ نظام معاشرت و سیاست داغ دار ہو رہا ہے۔

مبارک ہے وہ ہاتھ جو مظلوم انسانیت کے جسم کی سوئیوں کو نکالنے کے لیے بڑھیں۔ مگر یاد رہے کہ آنکھوں کی سوئیاں نکالے بغیر اس کو سکھ کی نیند اور دل کا چین حاصل نہیں ہو سکتا۔ آزادی اور حکومت خود اختیاری کا حاصل کرنا بڑا ضروری کام ہے۔ اور اعلا مقصد ہے۔ ملک سے فاقہ کشی، برہنگی اور افلاس کو دور کرنا، معاشی ناانصافی کا خاتمہ کرنا اور ہر شخص کے لیے ضروری وسائل زندگی کا مہیا کرنا نہایت مبارک کام ہے اور جو لوگ اس میں حصہ لیں وہ انسانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن ان کو اپنے کام کو بالکل ادھورا

اور ناقص سمجھنا چاہیے. جب تک انسانیت کے دل کی پھانس اور آنکھوں کی کھٹک دور نہ ہو اس کا ضمیر خدا ترس اور پاک باز نہ ہو جائے اس میں ذمہ داری کا احساس نہ پیدا ہو جائے اس کی نظر شکم پروری اور تن پروری سے بلند ہو کر بنی نوع انسان کے عام فائدوں پر نہ ہو اس میں وسعت نظر، اور عالی حوصلگی نہ پیدا ہو جائے وہ ضروریات زندگی اور فضولیات زندگی میں فرق نہ کر سکے اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے اور اپنے نفس کے خلاف کرنے میں دقت نہ ہو۔

کئی بار اس جسم کی سوئیاں نکالنے کے لیے انسانیت کے ہمدرد ہاتھ بڑھے لیکن ہر بار انھوں نے آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیں. اور رات ہو گئی۔

کسی ملک کو اس کے فرزندوں نے اپنی قربانیوں اور بہادری سے آزادی دلائی کہیں ارادے کے پکے انسانوں نے جاگر شخصی سلطنتوں کا تختہ الٹ کر ملک میں جمہوری نظام اور عوامی حکومت قائم کی. لیکن دل کی پھانس دل کے دل ہی میں رہ گئی. ملک کا نظم و نسق کرنے والے بدل گئے مگر نظم و نسق کا طریقہ اور حکومت کی روح اور اس کا مزاج نہ بدلا. اب بھی کئی ملکوں میں معاشی انقلاب کی جد و جہد جاری ہے لیکن لوگ پیٹ کی سوئیاں دیکھ رہے ہیں. اور آنکھوں کی سوئیاں کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوتے ہیں. انسانیت فریادی ہے کہ رات آنے سے پہلے جسم کی سوئیوں کے ساتھ آنکھوں کی سوئیاں بھی نکال دی جائیں تاکہ اس کو حقیقی سکون دیرپا راحت اور متوازن زندگی حاصل ہو

••

غزل

طفیل احمد مدنی

محبت میں اگر غم کی فراوانی نہیں ہوتی
تو پیدا دل کے آئینے میں تابانی نہیں ہوتی

نہ ہو جو آشنا سیلاب سے دریا نہیں ہے وہ
وہ چشم تر نہیں ہے جس میں طغیانی نہیں ہوتی

فقط شکووں سے نظم گلستاں بدلا نہیں کرتا!
فقط اشکوں سے حاصل جاہ سلطانی نہیں ہوتی

کوئی در ہو کسی کا آستاں کیسی ہی شہرت ہو
بجز پیش خدا خم اپنی پیشانی نہیں ہوتی

نہیں ہے نالہ و شیون ہمارا مسلک و مشرب
کوئی عالم ہو ہم سے چاک دامانی نہیں ہوتی

کفن بر دوش آنا جب بھی آنا راہ الفت میں
کہ طے راہ غم الفت بآسانی نہیں ہوتی

روایت ہی نہیں ہمدم ہمارا تجربہ بھی ہے
جہاں یاد خدا ہوتی ہے ویرانی نہیں ہوتی

طفیل اس میکدے میں معرفت کے ہوش سے بیٹھو
یہاں چلتا ہے حکم شیخ من مانی نہیں ہوتی:

غیبت

رضوانہ حیٔ

جن بری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین جرم اور عظیم گناہ قرار دیا ہے اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے انھیں گناہوں میں غیبت بھی ایک عظیم ترین گناہ ہے کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کے بیان کو یا دوسروں کے عیوب کی پردہ دری کا نام ہے غیبت۔ غیبت کا مطلب ہے کسی شخص کے فعل یا حال کا اس طرح ذکر کرنا ہے جس سے اسے اذیت اور تکلیف پہونچے اور جس کے باعث وہ حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔ غیبت سے کسی شخص کی بے آبروئی اور رسوائی مقصود ہوتی ہے اس سے روحانی تکلیف پہونچتی ہے اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے جس کے نتائج بعض صورتوں میں بڑے خطرناک اور مہلک نکلتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیبت کے بارے میں قرآن و حدیث دونوں میں اتنی سخت وعید آئی ہے ملاحظہ ہو مذکورہ آیت جس میں غیبت کرنے والے کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

"اے ایمان والو! بہت تہمتیں کرنے سے بچتے رہو۔ بعض تہمت مقرر گناہ ہیں
اور نہ عیب جوئی کرو کسی کی اور نہ پیٹھ پیچھے برائی کرو ایک دوسرے

کی بھلا تم میں سے کون پسند کرے گا اپنے مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانا۔"

اسی طرح حدیث میں ذکر ہے کہ شب معراج میں آنحضورؐ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ حضور اکرمؐ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی حدیثوں میں اس کی سخت تاکید آئی ہے مگر حیف صد حیف کہ ہماری بہنیں اس مرض میں کثرت سے مبتلا ہیں جہاں دو چار اکٹھا ہوئیں کہ کسی نہ کسی کا تذکرہ چل پڑتا ہے۔ کبھی یہ مذاکرہ تمسخر کی غرض سے ہوتا ہے تو کبھی دوسروں کی برائی کرکے اپنی برتری کے اظہار کے لیے۔ عام طور پر مطلب تذلیل و حقارت ہی سے ہوتا ہے دوسروں کو نیچے گرانے کے لئے ہم اپنے ماضی سے ناآشنا اور مستقبل سے بے نیاز ہوکر دوسروں کی برائیوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانو! غیبت کرو اور نہ کسی کے عیوب کی تلاش۔ کیونکہ جو شخص دوسروں کے عیوب کی تلاش میں رہے گا۔ خداوند بھی اس کے عیوب کی تلاش کرے گا۔ اور خدا جس کے عیب نکالے گا خود اس کے گھر کے اندر ہی اس کو رسوا کردے گا۔

غیبت سے متعلق ایک جگہ اور ارشاد ہے کہ ایک بار سخت بدبو پھیلی تو رسول اللہ نے صحابہؓ سے کہا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے ہیں۔

غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور

گھنونی بد اخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اسے زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین جرم کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کر لینے سے اس کے گناہ کی معافی ہو سکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں کیا جاتا جب تک وہ شخص خود نہ معاف کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔

فضول خرچی کا نتیجہ

ہارون رشید صدیقی

کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو، یہ انگارہ شاہ شریعت سے کتنا دور ہے نماز سے مطلب نہیں جو فرض عین ہے۔ یہ رنگین لباس، یہ موٹے دانوں کی مالائیں، یہ دونوں ہاتھوں میں چار چار، پانچ پانچ انگوٹھیاں، یہ عورتوں کو سامنے بلانا، ان سے براہ راست بات چیت کرنا۔ تعویذ کے بہانے ان سے بعض شرمناک وضاحتیں سن کر محظوظ ہوتا، عورتوں سے ہاتھ پیر دبوانا۔ کیا یہ معاصی نہیں ہیں۔ کیا یہ گناہ نہیں ہیں۔ پھر آپ لوگ کیوں اس کو راہ دیتے ہیں۔ کیوں اسے انڈے پراٹھے کھلاتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ یاد رکھئے یہ صحیح بات معلوم ہو جانے کے بعد اگر اسی طرح وہ آپ کی عورتوں میں آتا رہا تو آپ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ یہ دیوثیت ہے۔ یہ تعاون علی الاثم ہے گناہ پر مدد ہے جس پر سخت مواخذہ ہوگا۔ میں نہیں کہتا کہ انگارہ شاہ کو آپ چھوڑ دیں آپ کے دروازے آئے تو آپ ضرور اسے کھانا پانی پیش کریں۔ بستر، پلنگ کا انتظام کریں۔ مگر اسے عورتوں سے ملنے نہ دیں۔ عورتوں کو بتائیں کہ یہ گناہ عظیم ہے اور بتائیں کہ جو شریعت کا پابند نہیں اس کے تعویذ میں اثر کہاں، نماز کے اوقات میں اسے پکڑ کر مسجد لائیں۔ اگر ان باتوں کے لیے وہ تیار نہ ہو تو ہرگز اپنے دروازے ٹھہرنے نہ دیں۔

مولانا ذاکر صاحب کی اس تقریر کا بڑا اثر پڑا۔ اور محلہ کے لوگوں نے سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ آئندہ جب بھی انگارہ شاہ آئیں گے تو ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا

سہ پہر کو مولانا ذاکر صاحب بازار سودا خریدنے گئے۔ عیدو نے آج اچھا بکرا کیا تھا، دس روپے کلو گوشت برابر نکل رہا تھا۔ مولانا کو دکان کی طرف آتا دیکھ عیدو نے ادب سے استقبال کیا اس لیے کہ مولانا کے وعظ میں وہ بھی موجود تھا۔

مولانا! گوشت چاہیے۔؟ مولانا کی جیب میں پیسے تو آدھ پاؤ کے تھے مگر گوشت دیکھ کر وہ للچا گئے۔ فرمایا ہاں ایک کلو دے دو۔ آج بیگم پلاؤ کے موڈ میں ہیں۔ عیدو نے حکم کی تعمیل کی اور جو بہترین بوٹیاں اب تک روکتا جاتا تھا سب کلو میں تول دیں۔ مولانا نے گوشت جھولے میں لیا اور چل دیے۔ عیدو سمجھا کہ شاید مولانا بھول گئے۔ اس نے یاد دلایا حضرت پیسے نہیں ملے ہیں؟ مولانا نے فرمایا بھئی پیسے تو شیروانی کی جیب میں رہ گئے ہیں۔ دروازے سے گزرنا تو لے لینا۔ بازار سے واپسی میں عیدو کو دیر ہوگئی سوچا کل کسی وقت لے لیں گے۔ دوسرے روز بعد ظہر گھر جاتے وقت عیدو نے عرض کیا۔ حضرت کل دیر ہوگئی تھی، وہ پیسے عنایت فرما دیجئے۔ میاں عیدو پیسوں کے پیر ہوتے ہیں پیر۔ تم نے کل لیا نہیں سویرے بیگم نے گھی منگوا لیا۔ لے لینا کسی روز' مولانا نے جواب دیا۔ بے چارے عیدو نے صبر کیا، ایک ہفتہ بعد پھر اسی طرح ظہر بعد مطالبہ کیا۔ اس بار تو مولانا اکھڑ گئے۔ تمہیں ذرا بھی تمیز نہیں۔ سر راہ ٹوکتے ہو' یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ خبردار آئندہ جو اس طرح کی حرکت کی۔ کل بھیج دیے جائیں گے۔ تمہارے پیسے۔

بے چارے عیدو سہم گئے۔ کل کے انتظار میں چل دیے۔ مگر کل کہاں آتی ہے۔

دو ہفتہ بعد غریب کو پیسوں کی ضرورت ہوئی۔ ہمت کر کے صبح صبح ڈیوڑھی پر حاضر ہوئے مولانا بیٹھکے میں اشراق کے لمبے سجدوں میں مصروف تھے۔ ایک طرف کواڑ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا کی بچی سامنے آئی، کہا منی ابا سے کہو عیدو سلام کہتا ہے۔ بچی نے جا کر اسی طرح کہا۔ مولانا نے جواب میں کہلایا کہ دو تین بجے رات سے نماز و ذکر میں مشغول ہوں، اب آرام کا وقت ہے۔ کسی اور وقت آئیں۔ مولانا نے اس آواز سے کہا کہ عیدو نے سن لیا۔ اور بچی کا انتظار کیے بغیر واپس چل دیے

عیدو ایسی نرم طبیعت کے آدمی نہ تھے۔ بات بات پر لڑنا ان کی عادت تھی مگر انھوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ علماء کا احترام ضروری ہے خواہ دس پانچ روپے کی چوٹ کھانا پڑ جائے۔

عیدو جب واپس جا رہے تھے۔ نبی لال بزاز کا ملازم بدھو ملا۔ معلوم کیا کہاں جا رہے ہو۔؟ بتایا مولانا ذاکر صاحب کو سلام کرنے جا رہا ہوں۔ پوچھا خیریت؟ بدھو نے کہا ہاں خیریت ہی ہے ہم کو کیا دس بار جانا پڑے یا سو بار۔ نقصان تو مالک کا ہوتا ہے۔ مولانا ڈھائی سو کے کپڑے کل کے ادھار پر لائے تھے۔ تین ماہ ہو چکے ہیں۔ دس وعدے ہو چکے ہیں۔ اب تو ایسا غراتے ہیں کہ اگر اسی طرح میں مالک سے کہہ دوں تو شاید لڑائی ہو جائے۔ اب مالک نے کہلایا ہے کہ آج اگر پیسے وصول نہ ہوئے تو آئندہ بیاج کے ساتھ لیے جائیں گے۔ یہ کہہ کر بدھو آگے بڑھ گیا۔

عیدو تو سکتہ میں پڑ گئے۔ خدایا میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ کہاں انگارہ شاہ پر وہ اعتراضات، کہاں ان کے یہ معاملات، جس کا لیا اس کا دینے کا نام نہیں۔ عیدو

بہت رنجیدہ تھے، سارا دن ان پر اثر رہا۔ شام کو مغرب کی نماز پڑھنے گئے تو مسجد میں چند اجنبی مولوی شکل کے لوگ نظر آئے۔ انھوں نے بعد نماز لوگوں سے درخواست کی کہ آپ حضرات ٹھہر جائیں کچھ دین کی باتیں ہوں گی۔

بعد نماز ایک صاحب نے تھوڑی دیر تک تقریر کی جس میں دنیا کی بے ثباتی، لوگوں کی دین سے لاپروائی، آخرت کی فکر کا ذکر اس طور سے کیا کہ سبھی لوگ متاثر ہوئے مگر عیدو کسی اور ہی تاثر میں تھے۔ چہرہ فکرمند تھا۔ ایک مولوی صاحب نے تاڑ لیا کہ یہ کسی سوچ میں ہیں۔ مخاطب کر لیا۔ کچھ گفتگو ہوئی تو مولوی صاحب علاحدہ لے گئے۔ عیدو نے انگارہ شاہ اور مولانا ذاکر صاحب کا سارا حال اور اپنی بے چینی کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ خدا کی مصلحت، آپ کی نظر میں دو نمونے آئے۔ دونوں غلط تھے۔ لیکن آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ علماء اور بزرگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اصل میں علماء ہوں یا بزرگ یا عوام جو معیار زندگی بلند کر لیتے ہیں ان کو زیادہ مصارف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اگر مصارف کافی نہیں ملتے تو قرض کی نوبت آتی ہے اور جو لوگ دو قدم اور آگے بڑھ کر فضول خرچی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ٹیری کاٹ اور ٹرالین سے نیچے پہنتے نہیں، خشکہ اور پلاؤ سے نیچے کھاتے نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ چار پیسے بھی کماتے نہیں۔ تو پھر اور کیا کریں گے۔ آدمی کو چاہیے کہ آمدنی ہوتے ہوئے بھی ضروریات زندگی پر اکتفا کرے، بچائے ہوئے پیسے راہ خدا میں صرف کرے۔ تو یہ نوبت نہ آئے۔ مگر یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکے گی جب آخرت کی زندگی سامنے ہو۔ مگر ایسے حضرات جو علم دین رکھتے ہوئے ایسی فضولیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کو اس بلا سے نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ پھر بھی ہم کو مایوس نہ ہو کر دوسرے لوگوں کے ساتھ

ان کو بھی دینی گفتگو کے اجتماع میں لانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ان کا رخ پلٹ جائے تو وہ ہم سے بہت آگے ہو سکتے ہیں۔ اب ہم لوگوں نے طے کیا ہے کہ ہر ہفتہ اس مسجد میں دینی باتیں کیا کریں گے۔ اگلی باری پر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم مولانا ذاکر صاحب کو اجتماع میں شرکت کی دعوت دیں گے۔ اور کسی طرح منت سماجت کر کے لائیں گے۔

شعبۂ خواتین دینی تعلیمی کونسل یوپی ’’کرامت منزل‘‘ اکبری گیٹ لکھنؤ کی سرگرمیاں

شعبہ کی سکریٹری بیگم ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اور ناظمہ صاحبہ نے الہ آباد پرتاب گڈھ اور رائے بریلی کا دورہ کیا۔ یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔ الہ آباد میں سبحان صاحب گورنمنٹ کنٹریکٹر کی بلڈنگ میں جلسہ ہوا۔ مسلم اسکول کے بچوں استانیوں اور پڑھی لکھی خواتین نے حصہ لیا۔

پرتاب گڈھ میں ڈاکٹر کرامت حسین صاحب کے مکان پر جلسہ ہوا۔ جس میں شہر کی معزز خواتین نے حصہ لیا۔

رائے بریلی میں ’’کاشانۂ حق‘‘ میں جلسہ ہوا۔ جس میں کافی تعداد میں عورتیں شریک ہوئیں۔ ان جلسوں اور تقریروں نے عورتوں میں دینی خدمت کا جذبہ بیدار کر دیا ہے اور جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی جدوجہد شروع ہو گئی ہے۔

سوال و جواب

آپ پوچھیں ہم جواب دیں

ادارہ

کریم اللہ۔ متولی بلالی مسجد لکھنؤ

س: جس مصلے پر کعبہ کا نقشہ بنا ہو اس پر بیٹھنا یا اس پر کھڑے ہونا کیسا ہے اور اس پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

ج: مناسب یہ ہے کہ مصلے پر کعبہ کا نقشہ نہ بنایا جائے اور اگر بن گیا ہے تو ادب یہ ہے کہ قصداً اس پہ پیر نہ رکھیں، نہ بے تکلف بیٹھیں۔ بے خیالی میں یا مجبوراً اس پہ بیٹھنا ہو گیا تو کوئی گناہ بھی نہیں ہے، ایسے مصلے پر نماز پڑھنا درست ہے۔ ایسے تمام مصلے اس طرح بنتے ہیں کہ نمازی کے پیر کعبہ کے نقشہ پہ نہیں ہوتے۔

س: اولیاء اللہ سے تعلق و محبت سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ گزرے ہوئے اولیاء اللہ سے محبت و تعلق کا کیا طریقہ ہے؟

ج: پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ کا ولی ہے کون؟ جو شخص شریعت کا پابند ہے وہ اللہ کا ولی ہے۔ شریعت میں بھی درجے ہیں، تو جو شخص جتنا زیادہ سنت کا پیرو ہے عبادات، معاملات اور زندگی کے ہر

شعبہ میں سنت پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی ہے بعض لوگ عجائبات دکھانے والے کو ولی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ چاہے وہ شریعت کا پابند نہ ہو، یہ صریح غلطی ہے۔

اولیاء اللہ سے تعلق و محبت رکھنے والے کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اللہ والا ہو جاتا ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیکوں کی صحبت تجھے نیک بنا دے گی۔ اور بروں کی صحبت سے تو برا ہو جائے گا۔ اللہ کے ولیوں سے تعلق اللہ و رسول کی رضا اور خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ خود حضورؐ نے اللہ کے چہیتوں کی محبت کی دعا مانگی اور اپنے امتیوں کو اللہ والوں سے محبت کی دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔

گزرے ہوئے بزرگوں اور اولیاء اللہ سے تعلق کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے محبت رکھیں، ان کے حالات کا ذکر کریں، ان کے نام ادب سے لیں، ان کی ہدایات و تعلیمات پہ عمل کریں، ان کو ایصال ثواب کیا کریں۔

جملہ خط و کتابت کے لیے نمبر خریداری کا حوالہ ضروری ہے